بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعاصغیر احمد نے یہ ناول(دست مسیحا) صرف اور صرف نیوایرا میگزین(New Era Magazine) کیلئے لکھا ہے۔اس ناول(دست مسیحا) کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام صرف اور صرف نیوایرا میگزین (New Era Magazine) کے نام محفوظ کیے جاتے ہیں۔ لہذا کسی بھی ادارے،ڈائجسٹ،سوشل میڈیا،ویب سائٹ یا کوئی بھی فرد بمعہ مصنف کو اس کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں شائع کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ عمل درآمد نہ کرنے کی صورت میں قانونی کاروائی کی جائے گی۔

شکریہ

ادارہ:نیوایرا میگزین

جب ہوا

دھیمے لہجوں میں

کچھ گنگناتی ہُوئی

خواب آسا،

سماعت کو چھو جائے، تو

کیا تمھیں

کوئی گزری ہُوئی بات یاد آئے گی؟

ٹوٹی ہے میری نیند مگر

تم کو اس سے کیا!

بجتے رہیں ہواؤں سے در،

تم کو اس سے کیا!

تم موج موج مثل صبا گھومتے رہو

کٹ جائیں میری سوچ کے پر،

تُم کو اس سے کیا

اوروں کا ہاتھ تھامو، انھیں راستہ دکھاؤ

New Era Magazine

میں بھول جاؤں اپنا ہی گھر،
تم کو اس سے کیا
ابرِ گریز پا کو برسنے سے کیا غرض
سیپی میں بن نہ پائے گہر،
تم کو اس سے کیا!
لے جائیں مجھ کو مالِ غنیمت کے ساتھ عدو
تم نے تو ڈال دی ہے سپر،
تم کو اس سے کیا!
تم نے تو تھک کے دشت میں خیمے لگا لیے
تنہا کٹے کسی کا سفر،
تم کو اس سے کیا

○○○

New Era Magazine

"آپ بات کیوں نہیں سمجھ رہیں میری بیٹی کا ریکارڈ خراب ہو گا مس" دسویں کی مس میمونہ از حد پریشان سی اسکے پیچھے چل رہی تھیں۔جواباًاسنے سوالیہ نظروں سے انھیں دیکھا تھا۔

وہاں بے نیازی سی بے نیازی تھی۔"دیکھیں میمونہ آپکی بیٹی میری اسٹوڈنٹ کو کہتی ہے کے وہ امتحان میں اسکی مدد کرے محض اسلئے کے آپ یہاں ٹیچر ہے۔

یہ کیسی جرات تھی میمونہ؟وہ سخت برہم تھی۔

"آپ لے تو گئی ہیں معاملہ پرنسپل تک وہ سرزنش بھی کر چکی ہیں تحریم کی تو اب آپ کیوں ضد کرتی ہیں کے وہ اگلے پرچے میں ناں بیٹھے "میمونہ شکوہ کنان تھیں۔

"کیا مجھے آپکو اسکول کے قواعد وضوابط دکھانے پڑیں گے میمونہ؟"وہ حیران بلکل نہیں تھی۔

"لیکن آپ....."

"نہیں میمونہ میں تحریم کا بلکل خیال نہیں کر سکتی۔انفیکٹ میں کسی کا نہیں کرتی" وہ اب بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

میمونہ پیچھے رہ گئیں تھیں۔وہ کلاس میں داخل ہوئی تھی۔

پہلی بینچ کی لڑکی نے ساتھ والی کو ٹہوکا دیا،اس نے سر اٹھایا۔اس لڑکی نے لب گول کیے بے آواز کہا تھا۔

"This is anadil i told you"

وہ سیاہ لباس بھورے بالوں کا ڈھیلا جوڑا بنائے،اپنی گہری سیاہ ذہانت سے بھرپور آنکھیں کلاس پر جمائے۔لیکچر شروع کر چکی تھی۔

○○○

"عنادل کی بچی پتا ہے تمہیں کتنی دیر سے کھڑا ہوں میں یہاں۔اوپر سے اس اسکول کی لڑکیاں یہ مستقبل کی معمار نیاں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اس حسین و جمیل مردانہ وجاہت کے شاہکار کو دیکھ نہیں نہیں تاڑ رہی تھیں اور........"وہ ڈرائیو کرتے مسلسل بک رہا تھا۔

New Era Magazine

"تمہارا لاؤڈ-اسپیکر بند ہو گا یا لگاؤں منہ پر دو۔اپنی ہی ہانکیں جا رہے ہو۔" وہ آگے کچھ اور کہتا اس سے پہلے ہی وہ ایک انتہائی غیر مہذبانہ، غیر شریفانہ شدید بد تمیزانہ بند باندھ چکی تھی۔اس کی اپنی اسٹوڈنٹس اسے اس زبان میں بات کرتا دیکھ یقیناً غش کھا جاتیں۔اس کی شخصیت کا رعب و دبدبہ ہی ایسا تھا کے اسکول کی لڑکیاں تو کیا لڑکے بھی چٹھوں میں بھیگ جاتے تھے۔

"تمیز سے۔اچھے سے جواب دیتا لیکن زرا ادھر کان قریب لا کر کام سنو۔" ہاں یہاں اسکا اپنا کوئی کام تھا۔

"بکو" وہ گود میں دھرے بیگ میں کچھ ڈھونڈتے سرسری سا بولی۔

"یار موثی کی پھر شروع ہو گئی ہے گھر والے بھیجو۔" وہ مسکین صورت بنائے اسے دیکھ رہا تھا۔کہتے ہیں وہ یوں بہت پیارا لگتا تھا۔

"جائز ہے" عنادل کا انداز اب بھی مصروف سا تھا۔

"تو اب میں کیا کروں کسے ملواؤں اس سے؟ وہ اب سنجیدہ تھا۔

"یہ تمہیں پہلے نہیں سوچنا تھا؟ اس نے استفسار کیا۔

"یار دل پوچھ کر تھوڑی لگتا۔میں لگ جاؤں؟ وہ پہلے ہی جلا بھنا بیٹھا تھا۔

"میں کیا کر سکتی ہوں اس سلسلے میں ایزو؟؟ وہ خود بیزار تھی۔اوپر سے گرمی۔

"یار یہ کرو کے مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟؟ عجیب فرمائش تھی۔ عجیب سوال تھا اصل میں عجیب آدمی تھا۔

"ابھی تم زرا اس کیفے کو دیکھو یہاں سے رات ٹارٹس پکڑنے ہیں تم نے۔اللہ کی قسم ایزو تم نے کبھی اتنے یمی ٹارٹس نہیں کھائے ہونگے۔میں کل آئی تھی یہاں رخشندہ کے ساتھ۔اور عنادل امان خان اور ایزدیار امان خان کی ہر گفتگو کی طرح اس گفتگو کا اختتام بھی محض "کھانے" پر ہی ہوا تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

حسبِ معمول وہ گھر میں داخل ہوئے تو وہ اماں کی گلے میں بانہیں ڈال کر انھیں دن بھر کی رواد سنانے لگی۔ایزو ہمیشہ کی طرح اپنی بکس ٹیبل پر رکھ کر کمرے میں چلا گیا۔وہ اماں سے نہیں ملا تھا۔ہمیشہ کی طرح۔اماں نے محسوس کیا تھا البتہ چپ رہی تھیں۔ہمیشہ کی طرح۔

New Era Magazine

رویحہ، صوفی چلو کھانا لگائیں، عینی آ گئی ہے۔"

اماں نے سیڑھیوں پر سے ہی اوپر ہانک لگائی تھی۔ صوفی تو آ گئی تھی۔ انھوں نے مل کر کھانا بھی لگا لیا تھا۔ رویحہ ناں آئی تھی۔

"رووحہ کہاں ہے؟" ابا نے دریافت کیا

"ہو سکتا ہے کمر سیدھی کرنے لیٹ گئی صبح مشین لگالی تھی اس نے۔ صوفی جاؤ دیکھو"۔ اماں نے صوفی کو کہا

"کوئی ضرورت نہیں۔ کھانے کا وقت ہے۔ کیا اسے نہیں معلوم؟"

"رکیں میں دیکھتی ہوں۔ بیٹھ گئی ہو گی وہ دو گھڑی سکون سے۔ یہاں سکوں میسر کب ہے" اس سے پہلے ابا اسے روکتے عینی کرسی دھکیلتے کھڑی ہوئی تھی۔

"ایسی ناہنجار اولاد خدا کبھی کسی کو ناں دے۔" وہ بلند آواز میں چلاتے چمچہ پلیٹ میں پٹختے اٹھ گئے تھے۔ اماں پریشان سی صوفی کو دیکھے گئیں۔ ہمیشہ وہ ہی پستی تھیں۔

"رووحہ! وہ آواز دیتی کمرے میں داخل ہوئی تو روحی نے سٹپٹاتے ہوئے کچھ تکیے کی نیچے ڈالا۔

"میں آ ہی رہی تھی تم...."

"تم رو رہی ہو روحی؟" عمر میں چھ سات سال کا فرق ہونے کے باوجود آپا آپی تو اس نے کبھی کہا ہی نہیں تھا اسے۔ وہ سب کی روحی تھی۔ ایزدیار کی بھی۔ اسفندیار کی بھی۔

"نہیں یار نیند آرہی تھی مجھے بس جمائیاں آرہی تھی خوب۔ چلو آؤ کھانا کھائیں پھر سو جاؤنگی میں" اس نے چہرے کو نارمل کرتے اس سے کہا تھا۔ لیکن وہ روئی تھیں۔ ہاں وہ روئی تھی۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

"رویحہ! یار فار گاڈ سیک کوئی ڈھنگ کے کپڑے نکالو۔ یہ کیا اتنے پھیکے سیٹھے شیڈز کا انبار لگا رکھا ہے۔ دعوت میں جا رہی ہو یا میلاد میں؟" صوفیہ صاحبہ کا پارا اس وقت بہت ہائی چل رہا تھا۔

"تو یار دعوت ہی ہے ناں ولیمہ تھوڑی۔" رویحہ منمنائی۔

New Era Magazine

"پھر بھی اتنے پھیکے سیٹھے شیڈ۔تیار تو ہم نے ہونا نہیں کم از کم کپڑے ہی ڈھنگ کے پہن لیں۔"

تو کیا ہو گیا اچھے خاصے تو ہیں پچھلے مہینے ہی لائی تھی میں یہ.......

کہاں سے سنڈے بازار سے؟صوفی نے اسکی بات کاٹتے اسکو ہی کاٹ کھانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

ارے نہیں یار ڈولمن سے لیا تھا۔"رویحہ فوراً گبرامانی تھی۔

ہٹو میں دیکھتی ہوں کچھ نا کچھ تو نکل ہی آئے گا تمہارے پاس بھی ڈھنگ کا۔یہ عینی نے کر لیے کپڑے پریس؟

اللہ جانے مجھے تو کب سے اس عمرو عیار کی زنبیل میں گھسا رکھا ہے تم نے۔ہٹو۔"وہ دھپ دھپ کرتی کمرے سے ہی نکل گئی تھی۔

New Era Magazine

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

ہمیشہ کی طرح اماں کی تاکید تھی کے بلاوجہ کی لیپا پوتی نہیں کرنی ڈھنگ کے کپڑے پہنو اور سلیقے سے تقریب میں چلو۔ یہ ہمیشہ ہی ہوتا تھا، ماسٹر امان اللہ خان کی بیٹیاں زرا سج سنور لیں۔ یہ ممکن ہی نا تھا۔

ماسٹر امان اللہ ایک اچھے متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ خدا نے ہر نعمت ہی دی تھی۔ اس پر امان اللہ صاحب کو محض ایک ہی خبط تھا۔ ترقی۔ ترقی۔ اور ترقی، پیسہ، پیسہ اور مزید پیسہ۔"

خاندان میں یوں تو زیادہ آنا جانا نا تھا کیونکہ امان اللہ کو کبھی بھی ملنا گھلنا پسند نہ رہا تھا۔ خدا نے امان اور قریشہ بیگم کو دو بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا تھا۔ سب سے بڑے اسفندیار خان پھر رویحہ خان پھر صوفیہ خان ان سے چھوٹی عنادل خان، اور سارے بہن بھائیوں سے چھوٹے اور بہنوں کے لاڈلے ایزدیار خان۔

اسفندیار گھر کے ماحول اور خصوصاً والد صاحب کے رویے سے سخت بیزار تھے۔ وہ ایک انڈیپینڈنٹ، آزاد نہ سوچ کے مالک تھے۔ گھٹن زدہ ماحول کے عادی کبھی بھی نا ہو پائے تھے۔ نتیجہ کچھ یوں نکلا کے اسفندیار بدیس جا بسے۔ ناں کوئی خط ناں کال ناں کوئی رابطہ۔ امان اللہ نے جینا مرنا سب ختم کر ڈالا تھا۔

امان اللہ خان یوں تو ایک بہترین والد تھے۔ تعلیم و تربیت میں کبھی کوئی کمی ناں چھوڑنے والے۔ وہ اپنی اولاد کے استاد تھے۔ سو بس استاد ہی بنے رہ گئے تھے۔ کبھی والد ناں بن سکے۔ ہمیشہ اپنی اولاد کے لیے بہترین چنتے تھے۔ البتہ کبھی یہ ناں پوچھتے کے آیا یہ اسے پسند بھی ہے کے نہیں۔ بچوں کو اپنی من پسند ڈگریاں دلوا کر ترقی کی راہ پہ گامزن کر چکے تھے۔ بچے ذہین تھے سہ گئے۔ بچیاں بڑی ہوئیں۔ رشتوں کے حوالے سے پیغامات کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن امان اللہ ٹھس تھے۔ وہ کبھی اس بارے میں سوچنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ بیٹوں کے حوالے سے تو پھر کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پیغامات کا سلسلہ ناں رکا تو واحد حل یہ ہی تھا بچیاں خاندان سے ہی دور کر دی جائیں۔ وہی ہوا۔ شادی اور موت میت کے سوا بیٹیاں کبھی آئی گئی ہی نہیں۔ اور جاتیں بھی تو امان اللہ صاحب کے بنائے گئے حدود قیود میں۔ اور یہاں ہی عنادل امان اللہ خان کی ہٹ دھرمی کا آغاز ہوا۔ چاہے جتنی بھی ہٹ دھرم ہو لیتی ایک حد پر تو بے بس تھی۔ باپ تھا۔ ہر چھوٹی بڑی بات میں باپ سے اختلاف اب گویا اسکی پختہ عادت بن چکا تھا۔

اور یہاں سے آگے امان اللہ کے لیے تباہی تھی۔ بربادی تھی۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

"تم۔ تم۔ تم چشمش بن کر آ رہی ہو ہمارے ساتھ ؟" بڑی کا نشس سی صوفیہ کے تن بدن میں اب تو گویا آگ لگ گئی تھی۔ ایک تو رویحہ نے وہی ملنگ باباٹائپ جوڑا پہن لیا تھا۔ میک اپ تو خیر کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ (ابا)

"یار رات ہو رہی ہے صوفی تمہیں پتا ہے میری نظر کا اوپر سے یہ پینسل ہیل۔ ٹھک ٹھکا جاؤ نگی کہیں۔"

"تو بابا آدم کے زمانے کی عورت وہ لینسز کس لیے لیے تھے تم نے ہیں؟ پڑے ہیں ڈریسنگ پر پہنوں فوراً۔" اس نے فوراً جھاڑ پلائی۔

"اللہ اللہ" وہ حسب عادت دہراتی ڈریسنگ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"ہونہہ۔ جہان سکندر کی سگی بہن ناں ہو تو۔"

New Era Magazine

"اویار اس میں ایک ہی پڑا ہے۔ ہن کی کراں؟" وہ وہیں سے چلائی تھی۔ اسکول میں موجود چند ڈھیٹ پنجابی لڑکیوں کا کمال تھا اسے بھی چند پنجابی جملے آ گئے تھے۔ لڑکیاں بھی ایسی۔ جب وہ کسی کام پر انھیں جھاڑتی تو بڑی ڈھٹائی سے دانت دکھاتے پوچھتیں۔ "ہن کی کراں"

"ایک کہاں گیا؟" صوفی اس سے زیادہ تیز چلائی تھی۔

"پتہ نہیں۔ چھوڑو نہیں پہنتی۔" اس نے ہاتھ جھاڑے۔

"مروت زیادہ۔ یہ پہن لو۔" اسنے جواباً دراز سے اپنے لینس نکال کر سامنے پٹخے تھے۔

اس نے فٹافٹ ہتھیا لیے تھے۔

اب عنادل خان کی عقل پر میزیں بجا بجا کر توڑنے کا مقام تھا۔ کہ ایک اپنا اور ایک صوفی کا لینس بڑے مزے سے آنکھوں میں تقریباً ٹھونس کر چلتی بنی تھیں۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

"عنادل تمہارے بال کتنے پیارے ہیں کھولتی کیوں نہیں ہو؟"روویم کچھ زیادہ ہی متاثر ہو گئی تھی اس بندی سے۔

"مجھے نہیں پسند"وہ کہ ناں سکی ابا کو نہیں پسند۔اف یہ آنکھ میں جلن۔

وہ دونوں زراالگ تھلگ گوشے میں اپنی پلیٹس لیے کھڑی تھیں۔مہمان کھانے میں مصروف تھے۔صوفیہ اور رویحہ ابا کے ساتھ ہی بیٹھی تھیں۔وہ تھوڑی بہت جھڑکیاں سن کر روویم کو امتحانات میں کامیابی پر مبارکباد دینے چلی آئی تھی۔

اور پچھلے آدھے گھنٹے سے ان دونوں کی بن بھی خوب رہی تھی۔

"تم کیا کر رہی ہو آجکل؟"روویم نے مچھلی بڑے ہی بے ڈھنگے انداز میں تقریباً نگلتے ہوئے پوچھا تھا۔اسے ہنسی آگئی تھی۔

"گورمنٹ ٹیچر ہوں"اس نے جواب دیا تھا۔

"چلو خیر ہے۔ویسے سوچا تو تم نے بھی ہو گا ڈاکٹر،انجنیئر بننے کے بارے میں۔ہر معصوم بچے کی طرح؟"وہ واقعی ڈٹ کر بڑی دلجمعی سے کھانا کھا رہی تھی۔

"ہاں لاءپڑھنا تھا۔پڑھ بھی لیتی۔لیکن بابا کی ڈائبیٹیس میں نہیں چاہتی تھی وہ ایک بیٹے اور تین بیٹیوں کی موجودگی کے باوجود ہمارے لیے مزید کچھ کریں۔"اسے بے اختیار اسفی بھایا یاد آئے تھے۔

New Era Magazine

اسکے واحد غمگسار۔ بچپن میں جب کبھی پڑھائی کے معاملے میں امان اللہ اسے جھڑکا کرتے تھے۔اماں تو چپکے سے بیٹھ جاتی تھیں۔البتہ اسفی بھایا ہمیشہ اسکی دلجوئی کیا کرتے تھے۔اس نے آنکھوں کی نمی اندر اتاری تھی۔رووہم کو یکدم کچھ یاد آیا تھا۔

"ادھر آؤ" وہ اسکا ہاتھ پکڑتے اپنے ساتھ کھینچتی گئی۔

وہ پلیٹ رکھ کر اسکے ساتھ چل دی۔اسے مستقل ابا کی قہر آلود نظریں خود پر جمی محسوس ہو رہی تھیں۔

دائیں آنکھ سے الگ دھند ھلا دکھ رہا تھا۔وہ رووہم کی دوستوں سے مل کر۔زرا ایک سنسان گوشے میں آگئی تھی۔اندھے دھندوں کی طرح رستہ تلاش کرنے سے بہتر تو یہ ہی تھا کے صوفی یار ویحہ کو ٹیکسٹ کر کے بلا لے۔

لیکن اسے یقین تھا۔تصویریں بنا بنا کر ہی بیٹری ڈیڈ کر دی ہو گی ان شودیوں نے۔

نتیجتاً ر پلائی کوئی نہیں آیا۔

وہ احتیاط سے یہاں وہاں دیکھتی چل رہی تھی۔

"take a side yar"

کوئی اپنی ہی دھن میں جھنجلاتے ہوئے اس کندھے سے ایک طرف کرتا آگے بڑھا۔وہ گزر جاتا۔

پینسل ہیل چکنے ماربل کے فرش پر پھسلی تھی۔ مقابل یکدم بدک کر دو چار قدم اور پیچھے ہوا تھا۔ وہ دھڑام سے زمین بوس ہوئی تھی۔

نہیں نہیں مقابل نے بازو نہیں پھیلائے بلکل نہیں۔

وہ ہونق سا کھڑے نیچے پڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا. اگلے لمحے وہ کھلکھلا پڑا تھا۔

اس کے گرنے پر متوجہ ہونے والے آس پاس کے لوگوں کے چہروں پر بھی دبی دبی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

"اوکے اوکے "اس نے مصالحتی انداز میں ہاتھ اپنے قدموں میں پڑی لڑکی کی طرف بڑھا دیا۔

وہ خونخوار نظروں سے اسے گھورے گئی تھی۔ گرنے کی وجہ سے چہرے پر آئی بال۔ غصے میں ایک آنکھ چھوٹی ایک آنکھ بڑی۔

اور ہنوز اس کے قدموں میں پڑی۔

وہ ہاتھ چھوڑ ایک بار پھر پہلے سے زیادہ زور سے ہنس پڑا تھا۔

صد شکر صوفی آ گئی ورنہ اسٹک سے پٹائی تو ڈن تھی ایک اونچے پورے بندے کی۔

"اٹھ اوئے یہاں کیوں گری پڑی ہے؟"کیا سوال تھا۔ بھئی واہ

ان ہوٹل والوں نے ناں مجھے 12 ہزار پر منتھ پونچھا لگانے پر رکھ لیا۔ڈیمو لے رہے ہیں۔"اس نے بڑی خوش دلی سے اسے آگاہ کیا۔

وہ لمبا سا پھر ہنس پڑا تھا۔

وہ خود اٹھ گئی تھی۔صوفی کا سوالنامہ کھل چکا تھا وہ جانتی تھی۔اسے لیے آگے بڑھ گئی وہ پلٹ کر محض اسکی کمر سے نیچے تک جھولتی فرنچ چوٹی دیکھے گیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooo

اماں نے دعوت سے واپسی پر بھائی بھابھی کے اہل خانہ سے نئے سرے سے ملوایا تھا۔

روویم اور عنادل نے نمبرز کا تبادلہ بھی کر لیا تھا.اس نے روویم کو جھوٹی یقین دہانی بھی کرادی تھی کہ وہ پھر آئے گی۔ہاں شاید جھوٹی ہی۔

اسے معلوم جو ناں تھا۔وہ باذلان گیلانی کا "سکون" اپنے ساتھ لے آئی تھی۔

ooooooooooooooooooooooooooooooo

بختیار گیلانی اور سفیان گیلانی دونوں بھائی اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ گیلانی ہاؤس میں رہائش پذیر تھے۔گھر کی سربراہ ہمیشہ سے انکی والدہ گلشن بی بی ہی تھیں۔

بختیار گیلانی کو اللہ نے بیٹی ناں دی تھی لیکن رو ویم نے انھیں یہ کمی محسوس ہی ناں ہونے دی۔ وہ سفیان گیلانی کی کل کائنات انکی واحد اولاد تھی۔۔ بختیار گیلانی کے تین بیٹے تھے۔ جہانداد۔ زایان اور سب سے چھوٹا باذلان۔

بڑے بھائی جہاندار بزنس میں دلچسپی رکھتے تو نہ تھے البتہ زبردستی گھسیٹ لیے گئے تھے۔

البتہ زایان گیلانی ڈاکٹری کی ڈگری لے چکے تھے۔

باذلان گیلانی۔ صاف رنگت، خوبصورت نقوش کا حامل تھا۔ کسی بھی شخص کو اسکی جانب متوجہ کرتی تھی اسکی مسکراہٹ۔ وہ مسکراتا تو شہد رنگ آنکھیں چھوٹی ہو جاتی تھی۔ دائیں گال کا وہ بھنور۔ کیا کہنے۔ اس بھنور سے اس گھر کا ایک مکین پہلے ہی بے کل تھا. باذلان گیلانی کا شمار ملک کے معروف قانون دانوں میں ہوتا تھا۔ وہ اپنے فرض۔ شوق۔ اور نوکری سے بے حد خوش تھا۔ لیکن بختیار گیلانی آئے دن اسے ملنے والی دھمکیوں سے از حد پریشان بھی تو اور کسی حد نالاں بھی۔ جس کا وہ برملا اظہار بیٹے کو کھری کھری سنا کر کر لیا کرتے تھے۔

حال ہی میں ایک کیس سے ہراساں ہو کر۔ایک روز اسے بٹھا کر وہ اپنا فیصلہ سنا چکے تھے۔یا تو می ٹو کی مہم کے حوالے سے چل رہے اس معروف اداکارہ کے کیس کی پیروی چھوڑ دے۔یا یہ وکیل گری ہی چھوڑ دے۔

اور اس روز باذلان گیلانی ہتھے سے ہی اکھڑ گیا تھا۔بات دلیلوں۔طعنوں بد تمیزی سے ہوتی گھر چھوڑنے تک آ گئی تھی۔اماں تو گویا دہل کر رہ گئی تھیں۔ابا بھی چپ ہو گئے تھے۔جو بھی تھا بیٹا تھا۔چھوڑ جاتا انھیں کہاں گوارہ تھا۔

البتہ اس روز سے یہ ایک معمول بن گیا تھا۔گھر کوئی دھمکی بھری فون کال آتی۔اور ساتھ ابا کی دھواں دھار تقریریں شروع ہوتی تھیں۔وہ باذلان کو ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔وہ بھی کب موقع چھوڑتا تھا۔وہ وہ باتیں۔وہ وہ طعنے۔کے الامان

اماں سر پیٹتی رہ جاتیں تھیں۔لگتا ہی نہ تھا باپ بیٹا بات کر رہے ہیں۔

ثناء اور ماریہ قل قل ہنستی رہ جاتیں تھیں۔

بیٹا سیر تھا تو باپ سوا سیر۔

باپ۔باپ ہوتا ہے ناں۔

گلشن بی بی قریشہ کی سگی ماں تو ناں تھیں لیکن امان اللہ سے شادی تک وہ قریشہ کو اپنی بیٹی ہی کی طرح عزیز رکھتی تھیں۔

بعد میں امان اللہ نے خود ہی بیگم کا میکے آنا جانا ختم کر دیا تھا۔ لیکن سرے سے تب ہوا جب بختیار گیلانی اپنے بیٹے زایان گیلانی کے لیے رویحہ امان کو مانگنے آئے۔

امان اللہ کے ہتک آمیز رویے کے جواب میں وہ بھی بہن سے قطع تعلق کر چکے تھے۔

اب اس تقریب کے بعد ایک حد تک رنجشیں دور ہوئی تھیں۔

لیکن گلشن بی بی بہت اچھے سے جان گئی تھیں۔ انیتس کی دہلیز پر بیٹھی رویحہ کے بارے میں وہ شخص تین سال پہلے سوچنے کے لیے راضی ناں تھا وہ کسی دوسری اولاد کے بارے میں کیا سوچے گا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooo

روویم گیلانی۔ اسے اگر گیلانی ہاؤس کی رونق کہا جائے تو بے جاناں ہو گا۔ باپ اور تایا کی جان۔ جہاں اسے آئی زرا سی تکلیف پر دونوں تڑپ اٹھتے تھے۔ وہیں اسکی جان بھی ان دونوں میں بستی تھی۔

صبح ہوتے ہی گیلانی ہاؤس میں آوازیں گونجنے لگتی تھیں۔

"رو ویم میری فائل"

رو ویم میرا بیگ"

"رو ویم ناشتہ کہاں ہے یار"

خود باذلان گیلانی بھی بڑے غیر محسوس انداز میں اسکا عادی تھا۔

وہ بی اے کے بعد سے بس اب گھر میں تھی۔وہ آگے بھی پڑھنا چاہتی تھی۔ لیکن اماں بہت بار اشاروں کنایوں میں زینب چچی کو یہ احساس دلا دیا تھا اب بس وہ رو ویم کو اپنے باذلان کی دلہن بنا کر لے آئیں گی۔وہ چپکی سی بیٹھ گئی تھی۔دل کے نہاں خانوں میں کچھ نہیں بہت کچھ تھا.

چچی پھولے ناں سماتی تھی۔لائق فائق، خوبصورت، آنکھوں کے سامنے پلا دا ما دا نھیں بھلا اور کیا چاہیے تھا۔

پر یہ دل۔ہائے یہ دل۔ جانتے بوجھتے خود کو مشکل میں ڈال لیتا ہے۔

باذلان گیلانی ایک پریکٹیکل، حد درجہ حقیقت پسند انسان تین دن، تین راتوں سے بے کل تھا۔دیدیار کے لیے۔اس سے بات کے لیے۔،

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

اچھی لڑکی

ہنستے ہنستے

اپنی دھن میں

ایسا نہ ہو

دکھ کے شہر تک

جا نکلو تم....

وہ اطمینان سے چھت پر لگے جھولے پر بیٹھی تھی۔ گہری سوچ میں گم۔ دور افق پر اڑتے دو پرندوں کو دیکھتے وہ رہی تھی۔ زندگی کیا تھی اسکے لیے بھلا؟

وہ اس ڈوبتی شام کے ساتھ کہیں ڈوب رہی تھی۔

جب پیچھے سے عنادل نے اسکے گلے میں اپنی سپید بانہیں ڈالی تھی۔

"روحی یہاں کیوں اکیلی بیٹھی ہو؟" اسکے برابر جھولے پر بیٹھتے عنادل نے سوال کیا۔

"یونہی بس دل چاہا یہاں بیٹھنے کا

you know i just loved this sunset view

اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تھا۔

وہ گہری سانس بھر کر اسے دیکھے گئی تھی۔

"روحی میری دوست کی اکیڈمی ادھر پاس ہی میں شفٹ ہو گئی ہے میں چاہ رہی تھی تم اور صوفی کسی دن چکر لگا آؤ۔ماحول پر فیکٹ لگے تو ایز اے ٹیچر جوائن کر لینا۔ مصروف ہو جاؤ گی تھوڑی۔"اس نے تفصیل بتائی

"سوچ رہی تھی میں بھی، بور ہو جاتی ہوں گھر میں۔ صوفی کے ساتھ ہو آتی ہوں۔" وہ رضامند تھی

"چلو آؤ پکوڑے بنائیں۔ موڈ اچھا ہو گیا ہے میرا۔"عنادل اسکا ہاتھ کھینچتی اسے اپنے ساتھ لے جا رہی تھی۔

جھولا ہلتا رہ گیا تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooo

"باذل اے باذل۔"وہ گہری سوچ میں ڈوبا راہداری عبور کرتا اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا جب دادی نے انھیں پکارا۔

"جی ددو"وہ فوراً چلا آیا۔

"کیا ہوا ہے؟ یہ آجکل بوتھا کیوں سوجا رہتا ہے تیرا؟ دادی نے استفسار کیا

"نہیں بس ایسے ہی۔دل بو جھل بو جھل سا ہے۔"

"اچھا وہ میرے گوٹھ سے ناں....."دادی اب شروع ہو چکی تھیں۔گوٹھ کی باتیں رات گئے تک ناں ختم ہونی تھیں۔وہ تحمل سے دو گھنٹے انکے گوڈے دباتے انھیں سنے گئے۔

"کچھ بول کیوں نہیں رہا ہے باذل؟"دادی نے انکی خاموشی پر غور کیا۔

"کچھ نہیں دد و بتایا ناں بس دل بو جھل ہے۔عجیب طبیعت ہے۔انھوں نے تفصیل بتائی۔

ہیں؟؟تجھے "وہ"تو نہیں ہو گیا باذلان؟"افف ایک تو دادی کی الفاظ بھولنے والی عادت۔

""وہ"کیا دد و؟"اسے بڑی کوئی شدید نیند آرہی تھی مگر دد و بھی اپنے نام کی ایک تھیں۔ٹھنڈ میں اسے ابھی تک اپنے پاس بٹھار کھا تھا۔خود دیوان پر بیٹھی مزے سے گوڈے دبوا رہی تھیں۔

"ارے وہی جو اکشے کمار کو کالی سی لڑکی کے ساتھ برف پر لوٹیں لگاتے ہو جاتا ہے"۔دادی نے انکی معلومات میں اضافہ کیا۔

"برف پر لوٹیں لگانے سے تو نمونیا ہی ہو سکتا ہے جو انقریب مجھے ہونے والا ہے" وہ محض بڑبڑا کر رہ گیا تھا۔

"چچ ارے یار" وہی" جس کے ہونے پر ہماری گوٹھ کی فاخرہ نے ریوڑیاں باٹی تھیں۔اور وجہ صرف مجھے بتائی تھی۔دادی ماضی میں کہیں جھانکتے "یار یور" پر اتر آئی تھیں۔

"ایں؟۔فاخرہ نے نمونیا ہونے پر ریوڑیاں باٹی تھیں؟۔ایسے کیسے؟ وہ نمونہ ابھی تک " نمونیے "پر ہی اٹکا تھا۔

"تو جا سو جا" ددو نے برا مناتے اسے پرے دھکیلا۔

"ارے میری بابرہ شریف ایسا ویسا کچھ بھی ہوا تو سب سے پہلے آپکو بتاؤ نگا فی الحال میں کنفیوژ ہوں۔

"سب سمجھتی ہوں میں" ددو نے عینک کے پار سے اسے گھورا۔

oooooooooooooooooooooooooooo

"سنو شاعرہ ہو؟" سوال کیا گیا۔

نہیں۔جواب دیا گیا

کیوں؟"ساتھ ہی سوال کیا گیا۔

میں بننے لگا ہوں۔اسکی آواز فلوزدہ سی تھی۔اف اسے کچھ زیادہ ہی فلور ہتا تھا۔

"شاعرہ؟"وہ کھلکھلائی۔

"نہیں پاگل شاعر"۔جواب آیا

""پاگل شاعر"بننے لگے ہو۔"اس بار ہنسی بے اختیار تھی۔

"تم کیوں میرے الفاظ پکڑتی ہو"اسنے شکوہ کیا تھا۔

"کیا کروں ایک عمریہ کرتی آئی ہوں"اسنے سادگی سے توجہ دلائی تھی۔

"باذلان گیلانی کی پکڑ میں آجاؤ ساری بری عادتیں چھڑوادونگا"۔آہ یہاں انداز بے حد مغرورانہ تھا۔

"ہونہہ ابھی آرہی ہوں"اس نے تمسخر اڑایا تھا۔

"دیکھ لو"اس نے چیلنج کیا تھا۔

"دیکھ لیا۔مجھے بلکل کوئی خوف نہیں سابق وزیراعظم کے ناراض ہونے کا۔ککھ وی کوئی نی۔(تنکے جتنا بھی نہیں)

فون کے اس پار باذلان گیلانی کا جاندار قہقہہ گونجا تھا.

oooooooooooooooooooooooooooooo

ایزد یار خان

اسکا بچپن بھی عجیب تھا۔ شرارتیں اتنی کے ہنسی بھی آئے اور غصہ بھی۔

وہ محلے میں کسی کو پیٹ پاٹ آتا تھا۔ اور جب گھر کمپلین آتی۔ ابا اسے خوب مارا کرتے تھے۔ اماں کیا کہتیں یہ ایک نارمل بات تھی۔ ہر کوئی اپنے بچے پر سختی کرتا ہے۔

اس مار پیٹ کا نتیجہ یہ نکلا کے وہ پڑھائی میں صفر ہو چلا تھا۔ ابا کو بھلا کب گوارہ تھا جب یہ مسئلہ بھی مار پیٹ اور ٹیوٹرز تبدیل کرنے سے حل نہ ہوا۔ ابا نے اس چھ سال کے بچے کو ملک کے بہترین بورڈنگ اسکول میں ڈالنے کا فیصلہ کیا۔

وہ ایزد یار جو چھ سال کی چھوٹی سی عمر میں ماں سے لپٹ کر سونے کا عادی تھا۔ بورڈنگ کے تنہا بستر پر رو رو کر تکیہ گیلی کرنے لگا۔

وقت گزرا وہ عادی ہو گیا۔ اسے صبر آ گیا۔

گھر سے صرف اسفند یار اس سے ملنے ویک اینڈ پر آیا کرتے تھے۔

پھر انھوں نے بھی آنا چھوڑ دیا۔ وہ عادی ہو گیا تھا۔ اسے صبر آ گیا۔

پھر ایزدیار خان کی زندگی میں سب سے خوبصورت دور وہ آیا جب وہ ہائیر ایجوکیشن کے لیے یو ایس پرواز کر گیا۔ وہاں اسے مونیشہ ملی۔ وہاں اسے سب کچھ ملا۔

گھر سے ناطہ صرف اتنا تھا کے کسی بھی کامیابی پر رو ویحہ سب کی جانب سے ایک مبارکبادی پیغام اسے روانہ کر دیتی تھی۔

پھر وہ واپس پاکستان آ گیا۔ پڑھائی ہنوز جاری تھی۔ ماں باپ سے دوری ہنوز تھی۔ البتہ اسے اپنی تین بہنیں بہت عزیز تھیں۔ صوفیہ اکثر اسے کہتی تھی۔ ایزو ہمارا بھائی تھوڑی ہماری بہن ہے۔

oooooooooooooooooooooooooooooo

آج وہ دل کے ہاتھوں بے حد مجبور چل پڑی تھی۔ رو ویم سے ملنے کے بہانے۔ اسے موسمی فلو نے آلیا تھا۔ ہفتہ تھا یقیناً وہ آج کچہری نہیں گیا ہو گا۔ دسمبر کی شامیں تھیں۔ ٹریفک ہنوز تھا۔ یہ آفسز سے واپسی کا وقت تھا۔

اسکول سے واپس آتے ہوئے وہ دو چار کام نمٹاتی گاڑی گیلانی ہاؤس کے رستوں پر ڈال چکی تھی۔

ثناءاور سارہ تو صدقے واری جارہی تھیں اس موم سے بنی لڑکی کے۔وہ عام لڑکیوں سے بہت مختلف تھی۔چچا سے شہر کے حالات پر باوقار انداز میں بات کرتی وہ چھوئی موئی جیسی لڑکیوں میں سے نہ لگتی تھی۔میک اپ سے مبرّا چہرہ لیے۔سرخ قندھاری ہونٹوں کو بھینچ کر ہنستی۔وہ بڑی پیاری لگتی تھی۔وہ ابا کو بتارہی تھی کے قریشہ انھیں کتنا یاد کرتی ہیں۔

میں زرا ہانڈی چڑھالوں جہانداد اور چھوٹے بھائی آتے ہونگے ثناءابا اور چچا کو اٹھتے دیکھ کر بولی۔سارہ بھی ساتھ اٹھی۔

مامی میں روویم سے مل لوں؟اس نے اماں کو دیکھتے پوچھا۔

ہاں ہاں جاؤ یہ اوپر جاتے ہی پہلے پورشن کا پہلا کمرہ اسکا ہے۔

وہ اٹھی تھی۔سیڑھیاں چڑھتے وہ پہلے پورشن کے انٹیریئر کا جائزہ لیتی۔آگے بڑھ رہی تھی۔جب کسی نے اسکا ہاتھ پکڑتے اس کھینچا تھا۔

"اوئے"۔

مقابل باذلان تھا۔

"چپ کرو"اسے لیے وہ لاؤنج سے ہٹ کر بنی راہداری میں لایا تھا۔

"ملنے مجھ سے آئیں تھیں یا چچا کو شہر کی ٹوٹی پھوٹی سڑکوں کا احوال سنانے؟ آدھے گھنٹے سے ویٹ کر رہا ہوں تمہارا۔ اس نے بدستور اسکا ہاتھ پکڑے جھاڑ پلائی تھی۔

"فلو کیسا ہے۔" اس نے ہاتھ چھڑاتے دریافت کیا تھا۔

دیکھ لو کیسا ہے۔" اس نے اپنی سرخ ناک کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ ہنس پڑے۔

"کتنے نازک مزاج ہو تم۔" اس نے گویا مذاق اڑایا۔

"بہت" وہ اس کی جانب جھکا تھا۔ اسے دھکیلتی روویم کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

اسے دیکھ لیا تھا۔ بس اب سکوں تھا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooo

"بی کول موتی، کیا ہو گیا ہے یار۔ میں بات کر و نگا نہ ابا سے"۔ وہ کب سے اسے ایک ہی بات سمجھا رہا تھا۔

New Era Magazine

"اچھا اور تمہارے ابا مان جائنگے۔؟ نہیں نہ؟ پھر؟ پھر بھی تم مجھے نہیں چھوڑو گے۔ صحیح واحد راستہ ہے کورٹ میرج۔ سوری ایزد میں خودکشی کو بہتر سمجھونگی۔"

وہ روتی جارہی تھی۔ کہتی جارہی تھی۔

"موثی۔ نہ کرو ایسی باتیں" اس نے اسکا تھامنا چاہا تھا وہ بغیر کچھ کہیں ریستوران سے نکلتی چلی گئی تھی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooo

ایزو کیا ہو گیا ہے یار۔ کول ڈاؤن۔ کرتے ہیں ناں کچھ۔ صوفیہ اسکا ہاتھ تھامے اسے پر سکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

رویحہ اور عنادل الگ سنجیدہ سی بیٹھی تھیں۔

"تم نے دیکھا وہ کیا کہ رہے تھے۔میری بہنیں گھر بیٹھی ہیں اور میں بے شرموں کی طرح اپنی شادی کی بات کر رہا ہوں۔اٹ مینز یہ میرا قصور ہے۔آئی سوئیر صوفی میں ڈگریاں لیتے لیتے مر جاؤنگا"

ایزو!وہ تینوں ساتھ چلائی تھیں۔

"اب بکواس ناں کرنا یہ۔کرتے ہیں نہ کچھ "عنادل غضب ناک ہوئی تھی۔

"کیا کرو گی مونیشہ کی شادی کر رہے ہیں اس کے گھر والے ایک دو ماہ میں "

تو کیا ہو گیا ایزو دنیا کی باقی لڑکیاں مر گئی ہیں "رویحہ چڑی تھی۔

"وہ مونیشہ تو نہیں "وہ ہولے سے بولا تھا۔

"میں سونے جارہا ہوں "وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایزو یار دیکھو کچھ کر لینگے ناں ہم "عنادل نے اسے تسلی دی۔

"نہیں رہنے دو as usual میں صبر کر لونگا "وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

وہ تینوں خاموش بیٹھی رہ گئی تھیں۔کیا کہتیں؟کون کہتی؟رویحہ وہ جس کے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی گھر رشتوں کی ایک لمبی قطار تھی۔اور اب...

صوفیہ؟وہ جس نے اپنی محبت قربان کی تھی۔وہ جو اپنی محبت کو منہ دکھانے کے قابل ناں رہی تھی۔وہ جس کی محبت کو دھتکار کر ذلیل کرا سکے باپ نے گھر سے نکالا تھا۔

یا عنادل؟ جو محض ایک کمانے کی مشین تھی۔"میرا دل یہ چاہ رہا ہے" مجال ہے چوبیس برس میں یہ جملہ اسکی زبان پر آیا ہو۔ وہ قانع تھی۔ کم از کم رویحہ اور صوفیہ کو تو اس فضول دنیا میں جوتیاں تو نہیں چٹخانی پڑتی تھیں۔ یہ کافی تھا۔ یہ بہت تھا۔

دل پر ایک باذلان گیلانی نامی بہار آئی تھی۔

ابا اور ایزدیار کی اس بحث سے وہ اس ایک بہار سے بھی ناامید ہو گئی تھی۔

اس نے یہ تمام باتیں بغیر کسی لاگ لپیٹ کے باذل کو بتادی تھیں۔

اور ہمیشہ کی طرح باذلان گیلانی نے اسکا مسئلہ حل بھی کیا تھا۔

یہ حل بہت مشکل تھا۔ بہت مشکل۔

عنادل امان اللہ خان مرتی مر جاتی یہ کبھی ناں کرتی۔

لیکن وہ مرتی تو ناں۔

اسکے بھائی ہمیشہ سے جذباتی تھے یہ تو طے تھا۔ لیکن جو ایزدیار خان کر گیا تھا۔ یہ شاید انکی سات نسلیں ناں کر پاتی۔

وہ ایک آگ میں جل رہا تھا۔ اس نے انھیں شعلوں کے حوالے خود کو کر دیا تھا۔

عنادل کا کلیجہ پھٹ رہا تھا۔ رویحہ دھاڑیں مار کر روئی تھی۔ صوفیہ خود بھی نڈھال تھی لیکن مستقل ماں بہنوں کو سنبھال رہی تھی۔

اماں۔وہ تو کسی کو سن ہی نہیں رہی تھیں۔

اسے صبح دس بجے کمرے سے نکالا گیا تھا۔باڈی کی کنڈیشن ہی بہتر نہ تھی۔تدفین عصر کے بعد ہی کر دی گئی تھی

سوئم کے دن وہ پہلی بار اسکے کمرے میں آئی تھی۔وہ مکمل طور پر خالی تھا۔چھٹ تک کالی ہوئی پڑی تھی۔

آگ کیسے بجھی تھی۔اسے کچھ نہیں معلوم بس ماں کے سینے میں بھنچی تھی۔

اسکا بھائی اتنا کمزور تو ناں کے ایک لڑکی کے لیے یہ سب کر جاتا۔ذہنی غلامی انسان کو برباد کر دیتی ہے۔اور ان کے ذہنوں کو غلام بنا رکھا تھا انکے باپ نے۔

ایزدیار خان جاتے جاتے اپنی ساری ڈگریاں اپنے باپ کو لوٹا گیا تھا۔

صبر تھا۔تمام ہوا۔

oooooooooooooooooooooooooooooo

"اماں کیا ہو گیا ہے مرا جا رہا ہوں میں جو آپ میری اگلے مہینے شادی کر رہی ہیں"

"خاکم بدہن کیسی بکواس کر رہا ہے۔"اماں غضبناک ہوئیں۔

"پھر بھی۔ کیا جلدی ہو گئی ہے آپ لوگوں کو۔ رو ویم کو بھی گھر بٹھا دیا ہے۔ پڑھنے دیں بھئی اسے۔ میرا شادی والا بلکل کوئی موڈ نہیں۔ اس نے قطعی انداز میں کہا۔

"اچھا تو تیرے لیے اسکی ماں اپنی بیٹی بٹھائے رکھے۔ تجھے کوئی مسئلہ نہیں۔ لیکن اسے بہت ہے۔ ہر تیسرے دن کوئی منہ اٹھائے اسے اپنے بیٹے کے لیے مانگنے آجاتا ہے۔ نہ مجھے اچھا لگتا ہے ناں تیرے ابا کو۔ اور وہ تو کہ چکے اگلے دو مہینوں میں کرنی ہے تیری شادی۔ اب فیصلہ تمہارا جنوری میں کرو یا فروری میں مجھے بتا دینا۔" اماں نے ہلکے پھلکے انداز میں اسے بتایا۔

"اور اگر میں شادی ہی ناں کرنا چاہوں تو؟" اس نے گویا بم پھوڑا تھا۔

"بکواس ناں کر تو مان جا میں تیرے ابا سے ایک آدھ مہینہ شادی اور آگے کروا دونگی لیکن نکاح تو....."

اماں سادہ سی بات ہے۔ میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں۔" اس نے صفاچٹ انداز میں انھیں خاموش ہی کروا دیا تھا۔ اماں ہونق سی اسکا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"تیرا دماغ ٹھیک ہے باذل۔ رو ویم تیری..."

"بیوی نہیں ہے وہ میری اماں۔ آپ کی اور ابا کی جانب سے مجھ پر مسلط کی گئی منگیتر ہے۔ کبھی ایک بار بھی پوچھنا کیا تھا آپ نے مجھ سے۔ میں کیا چاہتا ہوں۔ ناں کل ناں

آج مجھے روویم کبھی بھی ایزاے لائف پارٹنر پرفیکٹ نہیں لگتی۔مجھے زندگی گزارنی ہے اسکے ساتھ اماں۔مجھے کیئر ٹیکر نہیں چاہیئے۔بہتر ہے کہ آپ ابا کو بتادیں،وہ اپنی بھتیجی کے لیے مجھ سے اچھا کوئی ڈھونڈلیں۔

اس نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔

"بھاڑ میں جا" اماں بھنائی تھیں۔

اوکے...

"کون پسند ہے تجھے" وہ تیورا کے پلٹی تھیں

"اممم قریشہ پھوپھو کی بیٹی عنادل" یہ بم نہیں ڈائنامائٹ تھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"ابو بلا رہے ہیں باذل" ثناء بھابھی نے اطلاع دی

"رہا نہ گیا بڑے میاں سے" وہ بڑبڑا کر انکے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

New Era Magazine

ابا کا کمرہ کیا تھا سیدھا سیدھا لاؤنج ہی تھا۔ جہاں ایک جانب رکھی مسہری پر ددو، اماں اور چچی بیٹھی تھیں۔ دوسری جانب صوفوں پر جہانداد ابا کے ساتھ بیٹھے کاروباری معاملات سلجھا رہے تھے

جب وہ کمرے میں داخل ہوا۔

"کر آئے وکیل گری؟" ابا نے اسکے کمرے میں داخل ہوتے ہی فل فارم میں آ گئے تھے۔

جہانداد کاغذات سمیٹ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے کہ اب دیوان گرم ہوا چاہتا ہے

"جی فائلوں میں دماغ نہیں کھپا رہا" وہ کیا کم تھا۔

"یہ کونسا دورہ پڑ گیا ہے تمہیں ابھی شادی نہیں کرنی" لو بھئی اماں نے پوری بات بتائی نہ تھی۔

"میں نے کب کہا ابھی شادی نہیں کرنی؟" ابا نے عینک کے پار سے گھور کر دیکھا تھا۔ ان ہی کی اولاد تھی۔ سیدھی بات کب کرتی تھی۔

"میں نے تو کہا ہے۔ مجھے سرے سے شادی ہی نہیں کرنی۔ سوری۔ رووِیم سے نہیں کرنی۔

ابا کا پارہ فوراً آسمان کو پہنچا تھا۔"

New Era Magazine

"کیا بکواس ہے یہ۔اب کونسا نیا گل کھلانا چاہ رہے ہو تم۔"ابا فوراً چیر نے پھاڑنے پر آ گئے۔

"بتا چکا ہوں اماں کو کسی اور کو پسند کرتا ہوں میں اور.....

"جو کوئی بھی ہے میاں نکالو دماغ سے یہ فطور۔میری بھتیجی ایک عرصے تمہارے نام بیٹھی رہی ہے۔"ابا نے چچا کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر بات سنبھالی۔چچی تو گویا بت ہی بن گئی تھیں۔

"نمبر ایک۔آپ نے مجھ سے پوچھ کر اپنی بھتیجی کو میرے نام نہیں بٹھایا تھا۔چچا کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

نمبر دو۔میں عنادل کے علاوہ کبھی کسی سے شادی نہیں کرونگا.....

"کون عنادل؟"ابا بات کاٹ کر بولے۔

پوائنٹ نمبر دو پارٹ ٹو۔عنادل قریشہ پھوپھو کی بیٹی ہے۔

نمبر تین۔مجھے ایک عدد بیوی چاہیے شادی کے لیے جو عنادل کی صورت میں مجھے مل گئی ہے مجھے کوئی شوق نہیں آپکی بھتیجی پلس پورے گھر کی کیئر ٹیکر سے شادی کا۔وہ اچھی ہو گی بہت اچھی ہو گی۔اسلئے مجھ سے اچھا کوئی اس کے لیے ڈھونڈ لیں۔لیکن سوری ٹو سے میں نہیں کر سکتا اس سے شادی۔"

یہاں اسکی بات ختم ہوئی تھی وہاں ابا تنتناتے ہوئے کھڑے ہوئے۔

"بے غیرت انسان تمہاری ہمت کیسے ہوئی تم میری بھتیجی کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرو۔"

گھر کے تمام افراد ہی کمرے میں جمع ہو گئے تھے البتہ رو ویم گم سم سی کمرے کے باہر کھڑی تھی۔یہ باذلان تھا۔؟وہ محض سوچ کر رہ گئی۔

یہ سچ ہے کے باذلان نے اسے کبھی کوئی خواب نہ دکھایا تھا لیکن وہ ایک soft nature کا بندہ تھا۔وکیل وہ محض گھر کے باہر تھا۔تلخ کلام بھی بس وہیں تھا۔

یہ آج اسے کیا ہوا تھا؟عنادل؟عنادل امان اللہ خان؟یا خدایا!

وہ محض ایک لمحے کے لیے انکے چلانے پر جز بز ہوا تھا۔پھر اٹھا پڑا تھا۔

"کر لیں جو کرنا چاہتے ہیں ابا!میں ہر گز اپنی زندگی کے فیصلے آپ کے ہاتھ میں نہیں دینے والا،اس گھر میں آپکی آخری بہو عنادل ہی آئے گی لکھوالیں مجھ سے۔"

"اچھا اور اسے یہاں لائے گا کون۔تمہارا خیال ہے کہ میں اس ہٹ دھرم شخص کے تلوے چاٹنے جاؤنگا۔جسے کوئی دلچسپی نہیں اپنی بیٹیاں بیاہنے میں۔سوچ ہے تمہاری کے وہ تمہیں اپنی بیٹی دیگا۔"ابا نے جیسے اسے آگاہ کیا تھا۔

"مجھے آپکی ضرورت ہے بھی نہیں۔اتناindependentتو ہوں میں کے اپنے فیصلوں پر عمل درآمد کر سکوں۔البتہ آپ اپنی بھتیجی کے لیے "کسی" کے تلوے چاٹنے کے لیے تیار ہو جائیں۔کیونکہ میں تو اس سے شادی نہیں کرنے لگا۔وہ گویا فیصلہ سنا کر۔ہاتھ جھاڑتا۔طنز برساتا۔کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔راہداری میں صرف لمحے کے لیے ٹھٹکا تھا جہاں وہ چہرے پر ہاتھ رکھے اپنے کمرے کی طرف تقریباً دوڑتے ہوئے جا رہی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"یار زایان تیرا یہ چھوٹا بیٹا تو بڑا تیز ہے۔کل بھی مجھ سے ہوسپٹل میں سرنج لے کر بھاگ رہا تھا۔کہتا ہے پاپا کو لگانا ہے۔"

ڈاکٹر احسان نے انگلیاں چٹخاتے پر سوچ اور سنجیدہ انداز میں اشعر کو دیکھتے زایان کی معلومات میں اضافہ کیا۔لاؤنج لمحوں میں زعفران زار بن گیا تھا۔

کچن میں کھڑی روویم کلس کر رہ گئی تھی۔

ابا نے اعلان کر دیا تھا۔ رو ویم کی شادی باذلان سے ہی ہو گی۔ اب کوئی مرتا مر جائے انکی بلا سے۔ وہ اماں سے کہہ کر شادی کی تیاریاں شروع کروا چکے تھے۔

باذلان صبح کچہری کے لیے نکلتا اور واپس آتے ہی کمرے میں بند ہو جاتا تھا۔ اسکی کافی۔ کپڑے کھانا۔

سارہ اور ثناء باقاعدگی سے پہنچا دیا کرتی تھیں۔

آج جمعہ تھا اماں نے اسکے سفید قمیض شلوار پریس کروائے تھے۔

رو ویم یہ کپڑے ہینگ کر دو باذلان کی وارڈروب میں۔" اماں نے رو ویم کو راہداری میں کہنی سے پکڑ کر روکا تھا۔

وہ کرتا ہینگر سے پکڑے دھپ دھپ سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی۔

باذل کا کمرہ اس پورشن پر قدرے الگ تھلگ ہی تھا۔ وہ دھیرے سے بھاری لکڑی کا اونچا دروازہ دھکیلتی اندر آئی تھی۔ آف وائٹ پینٹ شدہ کمرے میں سادہ لیکن نہایت خوبصورت لکڑی کا کارپر سا فرنیچر بڑی شان سے سجا تھا۔ کمرہ خاصا بڑا تھا۔ ایک جانب کارپر ہی شیلفس میں قانون کی موٹی موٹی کتابیں سجی تھیں۔ ساتھ ہی رکھی راکنگ چیئر اور اس پر جھولتا وجود۔ ماحول یونہی معطر ہوا تھا۔ اسے زرہ برابر امید ناں تھی کے وہ صبح اس وقت گھر موجود ہو گا۔ اس وقت وہ کچہری میں ہی ہوتا تھا۔

دروازہ کھلنے کی اواز پر اسنے آنکھیں کھولی تھیں۔آنکھیں سرخ تھیں۔آدھی فرش پر جھولتی اپنی سیاہ چادر اٹھا کر کندھے پر ڈالتے اس نے روویم کو مخاطب کیا تھا۔

"ناک کر لیتے ہیں۔"اسے فلو تھا۔آواز بتارہی تھی۔

"امم مجھے پتا نہیں تھا آپ موجود ہیں۔"وہ منمنائی تھی۔

"آئیں"۔

جی مجھے یہ کپڑے دینے تھے۔

"ہینگ کر دیں۔"جواب مختصر تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے"اس نے کپڑے ٹانگتے مصروف سے انداز میں پوچھا تھا۔

"نہیں"وہ سرخ آنکھیں مسل رہا تھا۔وہ ٹھیک نہیں تھا۔سرخ آنکھیں بتارہی تھیں۔

"آپ ٹھیک نہیں لگ رہے آنکھیں کیسی سرخ..............."

"فار گاڈ سیک یار مرنے دو مجھے۔زندگی عذاب کرر کھی ہے میری۔"وہ گود میں دھری بند کتاب پوری قوت سے سامنے پڑی میز پر پٹختے دھاڑا تھا۔

وہ بے ساختہ کئی قدم پیچھے ہٹی تھی۔

بازلان ٹھیک نہیں تھا۔یہاں کچھ بھی ٹھیک نہیں تھا۔اسکا دل بتارہا تھا۔

New Era Magazine

"bazil everything is fine?han?What happened"?

"Get lost"

"نکلومیرے کمرے سے ابھی نکلو فوراً" وہ اسے کہنی سے پکڑے کمرے سے باہر دھکیل رہاتھا۔"

یہ باذلان نہیں تھا۔اسے جانے کیاہو چلا تھا۔

"جاکر بتادو اماں کو بھی۔ابا کو بھی۔دادو کو بھی۔وہ مجھے بلیک میل کررہے ہیں۔لیکن میں بلکل نہیں ہونے لگا۔اور تم۔تم یادرکھنامیری ایک بات۔اپنی اوقات میں رہو۔یہ جو خواب دیکھنے لگی ہوناں۔روویم بی بی انکی کوئی تعبیر نہیں"

وہ دھاڑسے دروازہ اسکے منہ پر بند کرچکا تھا۔

آوازوں پرماریہ اور ثناءبھابھی کچن سے آچکی تھیں۔

باذلان گیلانی تماشہ کرچکا تھا۔روویم گیلانی تماشہ بن چکی تھی۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooo

New Era Magazine

"باذلان ملنے آ سکتے ہو مجھ سے؟" دوسری جانب سے غالباً کچھ کہا گیا تھا۔

صحیح۔ صحیح میں پہنچتی ہوں وہاں۔اللہ حافظ۔

وہ فون پر بات کرتی پلٹی تھی۔ پیچھے قریشہ ہونق سی اسے دیکھ رہی تھیں۔

"کس سے ملنے جا رہی ہو؟"

"اماں، اماں ٹریسٹ می وہ بہت اچھا ہے۔" اس نے اماں کے ہاتھ پکڑنے چاہے مگر وہ نفی میں گردن ہلاتی اس سے دور پٹتی چل گئی تھیں۔

"تم۔ تم۔ عنادل تم ایسی تو نہ تھیں۔ تم" وہ بے ترتیب الفاظ ادا کرتی کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

اور یہ ہی وہ لمحہ تھا عنادل امان خان اپنی زندگی کا ایک بڑا فیصلہ کر چکی تھی۔

ہو جاتے سب خفا۔ ساری دنیا خفا، اسکی ماں تو اسکے ساتھ تھی۔ اسکی کل کائنات اسکو کس بات کا ڈر تھا بھلا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooo

وہ اماں کے ساتھ اچانک ہی کیفے میں وارد ہو گئی تھی۔جو بھی تھا۔باذلان لاکھ بولڈ سہی لیکن یہ ایک اوکورڈ سیچوئشن تھی۔

"دیکھیں پھوپھو، عنادل مجھے بہت پسند ہے۔اب جو کہے ساری دنیا

i damn care

ابا نہیں مان رہے۔نہ مانیں۔امان انکل نہیں مانتے۔نہ مانیں۔

اپنے دل سے پوچھیں پھوپھو آپکو رویحہ اور صوفیہ خوش لگتی ہیں۔کیا آپ ٹھیک کر رہے ہیں اپنی اولادوں کے ساتھ۔

سوری ٹو سے آنٹی آپ اپنی ساری اولادوں کو ایزدیار اور اسفندیار کی طرح کھو دینگی۔

میں بات کروں گا امان انکل سے۔مان جائنگے وہ۔"

وہ انھیں آدھ گھنٹے سے بڑے تحمل سے سمجھا رہا تھا۔وہ بس اسکا چہرہ دیکھتے اسے۔

سنے گئی تھیں۔

"تم گھر ناں آنا۔مجھے گھر لے چلو عنادل۔"وہ پہلا جملہ باذل سے اور دوسرا عنادل سے بولتی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

وہ اماں سے بات کرنا چاہتی تھی۔لیکن باذل سے ملنے کے بعد سے وہ چپ تھیں۔وہ سمجھی تھی وہ پریشان ہیں۔

وہ گہری سوچ میں تھیں۔

"اماں بات کیوں نہیں کر رہیں مجھ سے "اس نے آج انکا ہاتھ پکڑتے اپنے پاس بٹھایا تھا۔

"نہیں۔بس یونہی۔ناراض تھوڑی ہوں۔"انھوں نے اس کے ہاتھ کو ہلکا سا دبایا تھا۔

"باذل اچھا لڑکا"انھوں نے قدرت توقف سے اضافہ کیا۔

"میری اماں سے زیادہ اچھا نہیں ہے "اس نے فلوزدہ ناک سے گیلی سانس کھینچی تھی۔

"ادھر دیکھو میری طرف عنادل"انھوں نے تیزی سے اسکا چہرہ تھوڑی سے پکڑ کر اپنی جانب گھمایا تھا۔

"وہ تمہیں گھر چھوڑنے کا بولے۔کسی کو بتائے بغیر خاموشی سے چھوڑ دینا۔میرا اور اپنی بہنوں بلکل نہ سوچنا وہ۔وہ کماتی ہیں۔سروائو کر لینگی۔

میرا کیا ہے میں تو جی ہی رہی ہوں۔لیکن میری جان تم۔۔۔۔تم۔۔۔۔اسکی کشادہ پیشانی بتا رہی تھی وہ تمہیں رسوا نہیں کرے گا۔"وہ اسکا ہاتھ تھامے تیزی سے بولے گئی تھیں۔جیسے دھڑکا سا تھا کہ کوئی سن نہ لے۔

وہ صرف انکا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔اگلے ہی لمحے انکے سینے سے لگ کر پھپھک کر رو دی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

گیلانی ہاؤس میں کہرام بپا تھا۔

باذلان گیلانی اپنی بیوی کا ہاتھ تھامے اپنے باپ کے سامنے پورے قد سے کھڑا تھا۔ رودیم کمرے میں بند تھی۔ چچا چپ سے راہداری میں کھڑے تھے۔ پھپھو دھک سے رہ گئی تھیں۔ ابا اسے مغلظات بک رہے تھے.

"تم بے شرم ہو گئے ہو باذلان گیلانی تم بے حیاء ہو گئے ہو۔" ابا کے پاس اب الفاظ ناں تھے۔

"تمہیں۔ تمہیں اس ذلیل نے گمراہ کر دیا ہے میرے بچے۔ یہ جو اپنے ماں باپ کی نہ ہو سکی تمہاری کیونکر ہو سکے گی۔" یہ زینب چچی تھیں۔

"اسے میرے کمرے تک چھوڑ آئیں گی؟" اس نے ثناء بھابھی سے کہا تھا۔

وہ جو اتنی دیر سے اسکا ہاتھ پکڑے کھڑی تھی۔ اسکا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس نے ہاتھ ذرا سا دبا کر چھوڑ دیا۔ وہ تھا اسکے ساتھ۔ وہ تھا اسکے پاس۔

وہ وہاں سے ہٹی تھی کہ وہ دھاڑ پڑا تھا۔

New Era Magazine

"میں بتا رہا ہوں آپ کو ابا۔ جو بھی صورتحال ہے بہر حال وہ میری بیوی ہے۔ کہی نہ کہیں اسکا بھی اس گھر سے برابر سے تعلق ہے۔ خدا کی قسم میں بلکل برداشت نہیں کرونگا کوئی شخص میری بیوی کو باذلان گیلانی کی بیوی کو یہ فحش جملے کہے۔"

یہ آخری بات تھی جو اس نے گھر سے نکلتے ہوئے کہی تھی۔

وہ فی الحال دماغ ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا۔

اماں نے درست کہا تھا اسکے لیے۔ وہ اسے رسوا نہیں کرے گا۔ باذلان گیلانی نے پاس رکھ لیا تھا اسکا۔ اور کیا خوب رکھا تھا۔

oooooooooooooooooooooooo

وہ ثناء کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ کافی سادہ سا کمرہ تھا۔ بڑا سا بیڈ۔ دائیں طرف راکنگ چیئر۔ ساتھ بنا کتابوں کا بڑا سا شیلف۔ وہ واقعی کتابی کیڑا تھا۔ کمرے کے ساتھ ہی ایک چینجنگ روم ملحق تھا۔ ہاں وہ خوش لباس بھی تو تھا۔ الماری اور سنگھار میز بھی سلیقے سے ترتیب شدہ تھیں۔ وہ نہایت آرگنائزڈ تھا۔

وہ کمرے میں آکر زار و قطار رونے لگی تھی۔

"عینی نہ رو۔دیکھو میری طرف۔چپ کر جاؤ"ثناء بھابھی اسے مستقل دلاسے دے رہی۔رہیں تھیں۔

"باذلان کہاں ہے مجھے بات کرنی ہے اس سے۔"کافی دیر ثناء بھابھی کے ساتھ بیٹھے بالآخر اس نے کہا۔

"میں دیکھتی ہوں۔ماحول ٹھنڈا ہو گیا ہے شاید۔میں بھیجتی ہوں اسے۔"ثناء بھابھی اٹھی تھیں۔

oooooooooooooooooooooooo

رات دو ڈھائی. بجے کے قریب وہ گھر واپس آیا تھا۔لاؤنج میں سناٹا پڑا۔وہ اپنے پورشن کی طرف جاتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔چچا کا پورشن روشن تھا۔وہ سر جھٹکتا کمرے میں داخل ہوا تھا۔

عنادل آڑی ترچھی دیوان پر پڑی تھی۔سفید دوپٹہ ہنوز مومی چہرے کے گرد لپٹا۔

"عین!"اس نے زرا سا جھک کر ہلکے سے آواز دی۔

"عین اٹھو"اس نے متورم آنکھیں کھولیں۔

"اٹھو بیڈ پر سو جاؤ" اسنے جیکٹ اتارتے سامنے پڑے وہ سنگل صوفے پر بیٹھتے کہا.

وہ بے ساختہ اسکی طرف آئی۔

مجھے گھر جانا ہے باذل۔ پلیز مجھے گھر چھوڑ آؤ" وہ اسکے دونوں ہاتھ تھامے کہ رہی تھی۔ وہ زمین پر کارپٹ پر ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ باذلان صرف اسکی آنکھوں میں دیکھے گیا.

"کل چلیں گے"۔اس نے اضافہ کیا "ہم دونوں"

"نہیں. تم مجھے ابھی چھوڑ کر آؤ۔" حلق میں جانے کتنے ہی کانٹے اگے تھے۔ اس نے دن بھر سے ایک قطرہ پانی تک ناں پیا تھا۔ آواز بے اختیار ہی بھرا گئی تھی۔

"ابھی دیکھو کتنی رات ہو گئی ہے، میں وعدہ کرتا ہوں تم سے صبح ہوتے ہی لے جاؤ نگا تمہیں گھر۔ تمہارے بابا کے گھر۔" اس نے اس کے ہاتھ تھامنے چاہے تھے وہ اپنے چھڑا گئی تھی۔

"عین" وہ اسے نہیں سن رہی تھی۔

"تم جاؤ یہاں سے" وہ فقط اتنا بولی تھی۔

وہ شاکڈ تھی! دکھی تھی! آسان نہیں تھا عنادل امان کے لیے خود کو گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی سننا۔

پر وہ سن رہی تھی۔

آسان نہیں تھا یوں گھر والوں سے دور "غیروں" کے درمیان رات گزارنا۔"

غیر؟"

پر وہ گزار رہی تھی۔

اس نے بھیگی آنکھوں سے ہی اسے کمرے سے نکلتے دیکھا۔

رات پگھل رہی تھی۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

اس کے کمرے میں شادی کے کئی جوڑے زمین پر اور صوفے پر بکھرے ہوئے تھے۔

"روویم میری شہزادی ہو تم۔ باذل سے لاکھ درجہ بہترین مرد تمہارے ساتھ لا کھڑا کروں گا میں۔"

ابا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے کہا تھا۔ وہ انھیں جواب ہی ناں دے رہی تھی۔ چپ چاپ نظریں اپنے زرد جوڑے پر جمائے ساکن بیٹھی تھی۔

ابا کمرے سے نکل گئے تھے۔وہ انھیں بہت عزیز تھی۔یوں ٹوٹتے بکھرتے وہ بھلا کیسے دیکھ سکتے تھے اسے۔

اداس ویران سی آنکھیں لیے وہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

کیا یہ نارسائی میرے حصے میں ہی آنی تھی؟کیا میں ہی بے مراد ٹھہرائی جانی تھی؟

وہ سراپا سوال تھی

oooooooooooooooooooooooooo

دس بجے کے قریب وہ کمرے میں واپس آیا۔عین جاگ رہی تھی کچھ دیر پہلے ہی ملازمہ ناشتہ لائی تھی چند لقمے زہر مار کیے وہ اب پیروں کو سمیٹے کاؤچ پر بیٹھی تھی۔اسکے کمرے میں داخل ہونے پر محض نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

رت جگے کے باعث آنکھوں میں سرخ ڈورے موجود تھے سر درد سے پھٹا جا رہا تھا البتہ وہ اسے اسکے والد کے پاس لے جانا چاہتا تھا۔کم از کم اس حالت میں تو نہیں دیکھ سکتا تھا اسے اب چاہے جو ہو ہو سو ہو۔

"نیچے آؤ ہم تمہارے گھر جا رہے ہیں"اس نے اطلاع دی

"چلو" وہ تیار تھی شاید۔

"عینا! میرے ساتھ واپس آؤ گی تم میں اپنی بات دہرا دوں تم میرے ساتھ واپس آؤ گی" اس نے بدترین خدشات کا اظہار کیا تھا شاید۔ بے بسی سی بے بسی تھی

وہ محض چہرہ دیکھتی گئی تھی۔ دیکھتی گئی تھی۔ پھر اسکے ساتھ چل دی.

لاؤنج سے گزرتے اسے اپنی پشت پر کئی چبھتی نظریں محسوس ہوئیں۔

گاڑی میں بیٹھ کر بھی وہ ہنوز خاموش تھی۔

یہ سب غیر متوقع نہیں تھا اسکے اپنے "احساسات" غیر متوقع تھے۔

گاڑی گھر کے سامنے روکتے اس نے ایک نظر عنادل پر ڈالی تھی۔ وہ گم سم سی بس اپنا گھر دیکھے جا رہی تھی۔ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اسکی نظر اپنے بھائی پر پڑی تھی۔

کیا واقعی؟

یہ اسفند یار بھائی ہی ہیں؟

اس سے پہلے وہ آگے بڑھتی وہ اسکی جانب آ گئے تھے۔ لاؤنج میں اس وقت اسفند یار کے علاوہ رویحہ اور صوفی ہی تھیں۔ اسے دیکھتے دونوں کی آنکھیں ہی پانیوں سے بھر گئی تھی۔

ایک نظر باذلان پر ڈال کر اسفندیار، عنادل کو گلے لگا گئے تھے۔وہ رو رہی تھی۔بری طرح۔کانپ رہی تھی۔اور وہ اسے تھپک رہے تھے۔

Anaadil!!shezadi be strong..

جو فیصلہ کیا ہے اس پر ثابت قدم رہو۔طریقہ غلط تھا۔پر جو "تھا" اب "ہے"۔میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔؛؛؛م ا

رویحہ اور صوفی کی ہمت ہی نا تھی آگے بڑھنے کی۔اسے دلاسہ دینے کی۔

"کیوں آئی ہو تم یہاں؟"وہ زیریں سیڑھی پر کھڑے تھے۔اسفندیار اور عین نے بیک وقت مڑ کر انھیں دیکھا۔

"تمہیں سکون نہیں ملا تھا میری عزت پر لات مار کر یہ آوارائوں والی حرکت کرتے؟اب کیوں آئی ہو واپس،سوچنا بھی مت میں اب تمہیں یہاں رکھوں گا دفع ہو جاؤ یہاں سے"وہ چیخ کر بولے۔

"بابا!"وہ آگے بڑھ آئی

"میں کہ رہا ہوں دفع ہو جاؤ یہاں سے"انھوں نے بری طرح اسکا ہاتھ جھٹکا۔کسی نے اسے بڑھ کر تھاما۔

مغلظات نکالتے اوپر وہ چلے گئے تھے۔ان اولادوں نے کیا کیا تھا انکے ساتھ؟ وہ جارحانہ انداز نہیں اپنا پارہے تھے جیسا اسفندیار کے گھر چھوڑنے پر اپنایا تھا۔وہ گنگ تھے۔کیا یہ انتہائی قدم انکی بیٹی اٹھا سکتی تھی؟ کہاں کمی تھی؟ تربیت میں یا.....

oooooooooooooooooooooooooo

"مجھے اماں سے ملنے دیا ہوتا" وہ ناک رگڑتے ہوئے بولی

وہ کھولتے دماغ کے باوجود احتیاط سے ڈرائیو کر رہا تھا دھند نے گویا سارے شہر کو اپنے لپیٹے میں لے رکھا تھا

"تمہارا خیال ہے میں وہاں تب تک رکتا جب تک وہ تمہیں دھکے دے کر وہاں سے نا نکالتے؟" عجیب اوکورڈ ماحول تھا اسکے لیے

New Era Magazine

"تم بلاوجہ جذباتی ہو رہی ہو رہے ہو، وہ ماں باپ ہیں تھوڑا غصہ کرینگے ٹھیک ہو جائیں گے۔" وہ اس سے زیادہ خود کو تسلی دے رہی تھی۔

وہ اسے دیکھ کر رہ گیا

oooooooooooooooooooooooooo

"کیا ہوا گھر والوں نے واپس بھیج دیا؟

ظاہر ہے کیوں رکھیں گے بے چاروں کا بڑھاپا عذاب کر آئی ہو" یہ چچی جان تھیں۔

وہ گھر میں آگے پیچھے داخل ہوئے ہی تھے۔ باذلان نے چونک کر انھیں دیکھا تھا۔ پھر دیکھتا ہی رہا تھا۔

"میاں ہمیں نہ گھورو، لچھن اچھے ہوں تو یوں اکڑتے انسان اچھا بھی لگتا ہے۔" چچی کو بھی تاؤ آیا تھا غضب خدا داماد غصب کر لیا گیا تھا انکا۔

"مجھے اپنے ہی گھر میں داخلے کے لیے آپ سے اجازت نامہ سائن کروانا پڑے گا؟ برائے مہربانی آپ یہاں سے تشریف لے جائیں یا مجھے لے جانیں دیں" اسکا ہاتھ پکڑے اپنے ساتھ تقریباً گھسیٹتے ہوئے اوپر لے آیا۔ چچی بدستور بڑبڑا رہی تھیں حد ہے مطلب ہر ایک ہی اس پر چڑھ دوڑا ہے۔ دائرۂ نکاح میں کیا لے آیا ایک عورت کو گویا کوئی قیامت آگئی ہے۔

"یار تم تو رونا دھونا بند کرو" وہ واقعی اکتا چکا تھا۔ مطلب حد ہے بلکہ بے حد ہے۔ وہ جو سوچ رہا تھا اس نکاح کے بعد سب ری ایکٹ کرینگے اور وہ سب سنبھال لے۔ سب تلپٹ ہو گیا تھا۔

وہ روئے جا رہی تھی۔

ہائے وہ کیوں روئے جا رہی تھی۔

"عینا یار بس کر جاؤ۔ دیکھو... اچھا ادھر آؤ" اس نے ہاتھ تھامنا چاہا تھا۔ عنادل نے بدک کر چھڑایا تھا۔

"او کے او کے نا آؤ نا آؤ۔ ادھر ہی بیٹھو آرام سے میں جا رہا ہوں۔" اپنا والٹ، کیز ٹیبل پر سے اٹھاتا وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

سہ پہر ڈھل رہی تھی۔ رونے دھونے سے فارغ ہو کر اب اسکی جان نکلے جا رہی تھی.

اٹھ کر کتابوں کے پاس آئی دو چار ادھر ادھر کیں ایک موٹی بھاری بھرکم سی کتاب نکال کر صفحات پلٹائے دھم سے واپس بند کی اور واپس اسکی جگہ پر رکھ دی۔

"میرے اللہ کیا کروں میں" اسے خالی کمرہ کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔

کاؤچ پر بیٹھ دونوں ہاتھ دائیں بائیں جمائے سوچنے لگی۔

"اب زندگی کا کیا ہو گا؟ ظاہر ہے اب اپنے تمام بقائمی ہوش و حواس میں اس سے نکاح کیا ہے تو روتی ہیروئین کی طرح خفا تو نہیں رہ سکتی۔" اس نے سوچا لیکن دل سے صدا آئی یہ واحد وجہ ہے جو تم اس سے خفا نہیں رہ سکتیں؟

"تم تو چپ کرو اس وقت مجھے اپنے اماں بابا کو یاد کرنا ہے نہ کہ تمہارا یہ چھچھورپن برداشت کرنا ہے اور چھچھورے سے یاد آیا یہ چھچھورا آاااام.... وکیل ہے کدھر "دل کو ڈپٹتے ہوئے اسے باذلان کا خیال آیا اور فوراً ہی اپنا خیال آیا۔

"میرے اللہ میں کل سے ان ہی کپڑوں میں گھوم رہی ہوں افف" دوسرے صوفے پر پڑے اپنے ہینڈ بیگ سے فون نکالتے وہ بڑبڑائی۔

oooooooooooooooooooooooooooo

لکڑی کے بھاری دروازے پر نفاست سے دستک ہوئی۔

"آجائیں" اس نے پست آواز میں جواب دیا

آنے والے نے کمرے میں قدم رکھا تھا اور عنادل کاؤچ سے فوراً ہی اٹھی تھی۔

"بیٹھو۔ بیٹھو۔" وہ زکام زدہ سی مدھم آواز میں کہتی آگے بڑھ آئی۔

"رو ویم میں یہاں کسی کو بھی جوابدہ نہیں ہوں مجھ سے سوال کر کے مجھے اذیت میں ڈالنا" اس نے شاید حفاظتی بند باندھا تھا

New Era Magazine

"اذیتیں،آزمائشیں.....ہا.... چھوڑو مسز باذلان گیلانی کھرنڈ جمنے دو اذیت کم ہو رہی ہے۔

تم بتاؤ تم کیسی ہو؟کیسا محسوس کر رہی ہو؟من چاہے شخص کی قربت میں؟"روویم دریافت کر رہی تھی

"تم کیا چاہ رہی ہو روویم؟ہاں "اسکا لہجہ ترش نہیں تھا بس گویا بیزار ہو کر پوچھ رہی تھی۔

"کیا بچا ہے کہنے کو... عنادل میں پریکٹیکل ہوں آگے بڑھ رہی ہوں تایا ابا کو بھی یہی سمجھا رہی ہو،اماں کے رویے کا برا نہ منانا وہ نارمل ہو جائیں گی کچھ دن میں...اور میری جانب سے بلکل جی برا نہ کرنا۔مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے مجھ سے ہو تو ختم کر دینا" وہ جیسے سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔

ارد گرد نگاہ ڈالی

" کبھی سوچا بھی نہیں تھا اس کمرے میں باذلان کی بیوی" کے ساتھ "بیٹھی ہو نگی۔" پھر اس کے چہرے پر نظریں جمائے وہ دیکھے گئی تھی،دیکھے گئی تھی،دیکھے گئی تھی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

New Era Magazine

"اپنے شوہر کی عادتیں ختم کرواؤ عادتاً مجھے ہی فون کیا تھا جناب نے کے کپڑے دے جاؤں تمہیں، یہ لو" وہ اب مدھم سی مسکراتے ہوئے اسے کپڑے تھما رہی تھی۔

وہ آئی اور چلی گئی۔

عنادل یوں ہی بیٹھی رہی۔

"اس خوشبوؤں میں بسی لڑکی کے ساتھ کیا ٹھیک ہوا تھا؟" دل کے اندر.....اندر.....بہت اندر کوئی بول رہا تھا

oooooooooooooooooooooooo

چھ ماہ بعد "ذوالفقار صاحب بات سمجھنے کی کوشش کریں کوئی ڈیل نہیں ہو رہی ولید خاقان کو انکے والد صاحب بھی جیل سے باہر نہیں لا سکتے۔ آرام سے یار" اس نے فون پر بات کرتے ہوئے آخری جملہ عنادل سے کہا۔

اس نے زبان دانتوں تلے دبا کر ناٹ قدرے ڈھیلی کری۔

"نہیں نہیں آپ سے نہیں کہ رہا جی، جی بلکل جی ان شاءاللہ. اللہ حافظ" اس نے فون پاس پڑی ٹیبل پر تقریباً دے مارنے والے انداز میں پٹخا۔ اف یہ کچہری کی سیاستیں۔

"جاتے ہوئے مجھے رومیم کے پاس چھوڑ دینا" اس نے مگ تھمایا۔

"بہت دوستی نہیں ہو گئی ہے تمہاری اس سے؟" وہ حیران نہیں تھا۔

"تو؟" جواباً دو بدو سوال دیتی وہ دائیں جانب سے نکلنے لگی۔

"تو یہ کہ جو مزاجِ یار میں آئے ادھر تو آؤ" اس نے کلائی اپنی گرفت میں لی۔

"میرا خیال میں باذلان گیلانی آپ اس وقت ایک اسکینڈل میں پھنسے ہوئے ہیں جو آپکو بین الاقوامی سطح پر کافی "شہرت" دلا چکا ہے تو فی الحال آپکو ٹینس ہونا چاہیے۔" اسکے سینے پر ہاتھ رکھے اسے پیچھے دھکیلتے اس نے گویا شرم دلائی تھی۔

"کیسی بیوی ہو یار میاں کو ٹینس دیکھنا چاہتی ہو؟" اسکے میسی بن سے ٹکی پن نکالتا، بال بکھیرتا وہ دور ہٹا۔

"بیگ لاؤ جنابہ عینا سوتن کے ہاں چھوڑ آؤں تمہیں" وہ والٹ اور کیز اٹھاتا بولا۔

"میری سوتن نہ ہے وہ" جھپٹ کر بیگ اٹھاتی مصنوعی برہم ہوئی۔

"میری تو ہے" وہ مسکین سا بولتا کوٹ پہننے لگا۔

oooooooooooooooooooooooooo

زندگی بہت بدل گئی تھی۔ عنادل ایک لمبے ڈپریشن سے نکل آئی تھی۔ زیادہ ہاتھ باذلان کا ہی تھا۔

چوبیس گھنٹے اپنے اس قدم پر دکھ، پچھتاوا، گلٹ جان سکھا دیتا تھا اسکی۔ اور اب جب وہ اس فیز سے نکلی تھی تو وہ تھی اور اسکی خوشیاں تھی۔ جو سنبھالے نہ سنبھلتیں۔ دبائے نہ دبتیں۔

باذلان بہت کیئر نگ اور مثالی شوہر تو نہ تھا، ہاں محبت اپنی جگہ تھی، نارمل تھا جیسے عموماً مرد ہوتے ہیں بس ایک بات مختلف تھی وہ اسکی ڈھال بن جایا کرتا تھا۔ پھر چاہے وہ معاشرے کے سامنے ہو یا اسکے ماں باپ کے۔

اسے پرے ہٹاتے وہ خود آگے آجاتا تھا کہ ہاں بھئی کیا پوچھنا ہے مجھ سے پوچھو۔

اس ذلت ورسوائی سے بچالیتا تھا جو ڈپریشن کے اس فیز میں اسکی جان کھائے جاتی تھی۔

گلٹ کے احساس سے جب وہ دہری ہو جاتی تو راتوں کو اٹھ اٹھ کر سسک پڑتی تھی۔ وہ کن کن سائکولوجسٹ کے پاس دوڑا دوڑا پھرا تھا۔

لیکن رووِیم گیلانی نے مایوں بیٹھ کر اس رات جانے اسے کیا پلایا تھا جو اتنے نامی گرامی سائکولوجسٹ نہیں پلا سکے تھے۔

وہ سنبھل گئی تھی۔

اسکی حالت کے پیشِ نظر گھر والوں کا رویہ حتی المقدور خود بخود ہی بہتر ہو گیا تھا۔

oooooooooooooooooooooooooo

وہ اس وقت روویم کے لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ملازمہ جوس رکھ کر جاچکی تھی البتہ روویم اب تک نہ آئی تھی۔

"السلام علیکم سوری تمہیں ویٹ کرناپڑ گیا"وہ دھپ سیڑھیاں اترتی اس کے پاس آئی۔

"ارے نہیں بندہ مصروف ہوتا ہے"اس نے بات بنائی

"نہیں کل میجر صاحب کی کال آگئی تھی اتنے دنوں بعد تو بس...."وہ شگفتگی سے بتاتی چپ ہوئی۔

"تم ٹھیک ہو"عنادل کے گھٹنے پر ہاتھ رکھتی وہ دریافت کررہی تھی۔

"آں ہاں ہاں"اس نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"باذلان کو بتایا تم نے؟کیا ری ایکشن تھا اسکا؟"وہ اکسائٹڈ سی پوچھنے لگی

"نہیں فی الحال نہیں بتایا....."وہ رکی۔

"اماں سے ملنے کا دل چاہ رہا ہے،سب سے پہلے انھیں بتانا چاہتی ہوں"وہ جیسے تھک کر بول رہی تھی۔

"تو باذلان سے کہو لے جائے گا"اس نے ریموٹ اٹھا کر چینل سرفنگ کرتے مشورہ دیا۔

"اوہ باذل....." وہ دونوں ٹھٹکی تھیں۔

نیوز کاسٹر چیخ چیخ کر خبریں سنا رہی تھی سامنے اسکرین پر باذلان کی تصویریں سلائیڈ ہو رہی تھی۔ وہ وکلاء کی کرسیوں کی جانب پشت کیے کچھ کاغذات ہاتھ میں لیے وکٹری کا نشان بنائے کھڑا تھا۔

"اور تایا ابا کہتے تھے اسکا کوئی مستقبل نہیں ہے" رودیم ہنسی تھی۔

وہ اٹھی

"میں چلتی ہوں اب اس سے پہلے کوئی ڈی ایس این جی ہمارے گھر پہنچے" وہ تفصیل بتاتی اب شال درست کر رہی تھی۔

رودیم کے گھر سے نکل کر گاڑی میں بیٹھنے تک وہ باذلان کو فون ملا چکی تھی۔

"ہیلو۔ باذل۔ کدھر ہو بزی ہو۔" دوسری جانب سے شاید وہ کسی مجمعے سے دور ہٹ کر کچھ بولا تھا

"نہیں تم بزی ہو تو میں فون رکھتی ہوں" دوسری جانب سے اس نے غالباً منع کیا تھا۔

"سنو کچھ بتانا ہے" اس نے کیس کی مبادکباد دینے کے بعد اس سے کہا۔

"نہیں چھوڑو تم گھر آؤ پھر بات کرتے ہیں" اس نے تھوک نگلتے بات پلٹی۔

دوسری جانب اس نے شاید کوئی سرگوشی کی تھی۔

"تم نہ ہمیشہ فضول بات ہی کرنا" اس نے لب بھینچ کر مسکراتے سرخ چہرے کے ساتھ اسے ڈپٹا تھا۔

وہ اسے اور بھی بہت کچھ سناتی جا رہی تھی۔

گاڑی تپتی تارکول کی سڑک پر دور......دور......اور دور جا رہی تھی۔

زندگی اتنی کٹھن نہیں رہی تھی جتنی اس نے سوچی تھی، دستِ مسیحا نے اسے تھام لیا تھا۔

.....(ختم شُد).....

☆☆☆☆☆

نوٹ

دست مسیحا از دعا صغیر احمد پڑھنے کے بعد اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ نظرِ ثانی کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ کسی قسم کی غلطی نہ ہوا گر پھر بھی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کی نشاندہی ضرور کریں تا کہ ہم اس کو بہتر کر سکیں۔

تعاون کا طلبگار

ادارہ (نیو ایرا میگزین)

New Era Magazine